اکبر اور اقبال کا معاشی فلسفہ

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi,

Head of Urdu Department,,

Lahore Garrison University, Lahore.

محمد لقمان

Muhammad Luqman

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Govt. College university, Faisalabad.

Abstract:

Akber and Iqbal were classical poets of Sub-Continent. They presented unique economical ideas in therir poetry. They proved in their poetry that agriculture, trade and industry is backbone of economy. These three elements are essential for the prosperity of any society. Their poetry indicates the problems of labourers, farmers and artists of this country. They presented economical structure of Sub-Continent and also discussed international economical ideas in their poetry. According to their economical point of view, all human beings are equal and all resources belong to Allah. They introduced ideal Islamic economical system for the well being of humanity.

معاشی فلسفے کا انسانی احتیاج اور ضرورت سے براہِ راست رشتہ قائم ہے۔ انسان اپنی بھوک مٹانے اور بنیادی ضروریات زندگی پوری کرنے کی غرض سے معاشی جدوجہد کرتا ہے۔ دنیا سب انسانوں کے لیے معاشی آزمائش گاہ ہے۔ امیر اور غریب، اونچے اور نچلے طبقے کے تمام انسان ایک دوسرے کے کسی نہ کسی لحاظ سے محتاج ہیں۔ یوں اس دنیا میں ایک فاقہ مست انسان اپنی بھوک مٹانے کے لیے معاشی جدوجہد کر رہا ہے جبکہ ایک امیر شخص اپنی روٹی ہضم کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا ہے

کیونکہ پُرخوری نے اسے امراض معدہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ انسانوں میں موجود طبقاتی تقسیم نے انھیں معاشی لحاظ سے کئی درجوں میں بانٹ دیا ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان موجود معاشی تفاوت نے تفریق کی اس خلیج کو اور زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ اکبر نے اپنی شاعری میں جو فلسفہ معاشیات پیش کیا ہے اس میں امیر اور غریب دونوں کو یکساں پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہیں جو شخص زیادہ محنت اور ایمانداری سے رزقِ حلال کماتا ہے وہ ان کی نظر میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ دولت کی تقسیم کے فلسفے پر عمل پیرا ہیں تاکہ دولت غربا تک دولت پہنچ سکے۔ ہمارے مذہب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ زکوٰۃ اسی مقصد کے پیشِ نظر فرض کی گئی ہے۔ وہ دنیا میں سکون اور راحت کے حصول کے لیے دولت اور زر کو ضروری قرار دیتے ہیں:

تحریک ضرورتِ معیشت ہے بہت
خرقے کو بھی اب خیال خلوت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

.....

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر

.....

اگر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
اگر علم نہیں تو زور و زر ہے بیکار
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

اکبر اپنے فلسفہ معاشیات میں اسراف اور فضول خرچی کو بُرا تصور کرتے ہیں۔ وہ ہندوستانی نوجوانوں سے نالاں ہیں کہ وہ دولت کا بے دریغ استعمال کر کے قومی وسائل کو ضائع کر رہے ہیں:

''آج کل کے نوجوان اول درجہ کے بے ادب اور فضول خرچ ہیں
وہ اسی کو آزادی سمجھتے ہیں۔''(۱)

اکبر کے فلسفہ معاشیات میں خودی کے تصور کو اہم مقام حاصل ہے۔ وہ برے سے برے معاشی حالات میں بھی خودداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ کسی کے در پر چند سکوں کی خاطر دست سوال دراز نہیں کرتے۔ وہ اپنا حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے ہیں۔ انگریزی حکومت کا ملازم ہونے کے باوجود انھوں نے ہر وقت ان پر تنقید کی اور اپنی نوکری کو داؤ پر لگائے رکھا۔ وہ سرکاری نوکری پر ہندوستانی زراعت وصنعت کو ترجیح دیتے تھے۔

اکبر نے کہا سن لو یارو اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
.....
کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے تو یہ
آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک
.....
خواہاں نوکری نہ رہیں طالبان علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہلِ شعور کی
.....
کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''جدید تعلیم کے ساتھ نئی نسل کی جو معاشی اغراض وابستہ ہوگئی تھیں اور ہر تعلیم یافتہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جس طرح سرکاری ملازمت کی تلاش و جستجو میں سرگرداں ہو جاتا تھا۔ یہ ایک ذہنیت بن گئی تھی جو مصلحین قوم (سرسید اور ان کے رفقا) کے نزدیک مستحسن نہ تھی۔ کیونکہ ان کا مقصد بھی یہ نہ تھا کہ قوم کا ہر تعلیم یافتہ فرد سرکاری مشینری کا ایک حقیر سا پرزہ بن جائے۔ اکبر نے ظریفانہ انداز سے اس روش پر تنقید کی۔''(۲)

اکبر نے اپنے فلسفہ معاشیات میں صنعت، زراعت اور تجارت کے فروغ پر زور دیا ہے کیونکہ ہندوستان بنیادی طور پر کسانوں، تاجروں اور صنعت کاروں کا ملک تھا۔ ہندوستانیوں کے ہنر اور مہارت کی پوری دنیا میں دھوم تھی۔ یہاں کے لوگوں کی بنائی ہوئی اشیا پوری دنیا کو فراہم کی جاتی تھیں۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ زراعت اور صنعت ہندوستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ انگریز ہندوستان کو سونے کی چڑیا سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ استعماری طاقتوں نے اس ملک کے معدنی، زرعی، صنعتی اور زمینی وسائل پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے اور یہاں کے باشندوں کو بلاجواز غربت اور افلاس کی چکی میں پیسا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

''اس ملک کی زرعی و معدنی دولت اور صنعت و حرفت کے چرچے اقضائے مغرب تک پھیلے ہوئے تھے اور یورپ میں یہ ملک سونے کی چڑیا کے طور پر مشہور تھا۔ مگر جب انگریزوں کی محکومی کی زنجیروں میں یہ ملک جکڑا گیا تو غربت و افلاس، جہالت و گمراہی، فلاکت و

ہلاکت نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔''(۳)

ہے تجارت واقعی اِک سلطنت
زوَ یورپ کو اسی کا آج ہے
لفظ تاجر خود ہے اے اکبر
دیکھ لو تاجر کے ، سر پر تاج ہے

.....

کیوں دولت وقوت کی ہے کمی اس کے تو سبب پیچیدہ ہیں
کچھ اس کو سمجھ سکتے ہیں وہی بوڑھے جو زمانہ دیدہ ہیں

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''وہ اقتصادی نقطہ نظر سے صنعتی اور زراعتی تعلیم کو ملک کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔''(۴)

اکبر نے اپنے فلسفہ معاشیات میں انگریزی سرمایہ دارانہ نظام کو خوب تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ کیونکہ اس نظامِ معیشت میں انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ سرمایہ دار غریبوں، مزدوروں اور محنت کشوں کا معاشی استحصال کرتا ہے۔ وہ ان پر معاشی خوش حالی کے دروازے بند کر کے انھیں بنیادی ضروریات سے محروم کر دیتا ہے۔ سرمایہ دار، لوٹ کھسوٹ، زر پرستی اور مادیت پرستی کو مقصدِ حیات سمجھتا ہے۔ وہ راتوں رات امیر ہونے کی کوشش میں مزدوروں اور غریبوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑتا ہے۔ مزدوروں کو کم اجرت دے کر زیادہ کام لینا اس کا روزمرہ کا وطیرہ ہوتا ہے۔ ہوسِ زر کی کوشش میں وہ بنیادی انسانی حقوق کو پامال کرتا چلا جاتا ہے۔ انسانی شرافت اور اخلاقی اقدار اس کی نظر میں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اکبر اس نظامِ معیشت سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''انگریزی سرمایہ دارانہ نظام جس میں انسان کی شرافت و اخلاق دولت و سرمایہ کے ترازو پر تلتا ہے اور جہاں انسانی اخلاقی قدروں کا کوئی پاس نہیں، اکبر کو پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔''(۵)

اکبر انگریزوں کے معاشی طریقہ استحصال کو سمجھ چکے تھے۔ جن ہندوستانیوں نے انگریزوں کے ساتھ وفاداریاں نبھائیں اور لوٹ مار میں ان کا ساتھ دیا۔ اب حاکم ان لوگوں کو جاگیروں سے نواز رہے تھے۔ ہندوستانی سماج میں اسے لوگ معاشی لحاظ سے بلند مرتبے کے مالک بن بیٹھے تھے اور بڑے لوگوں میں ان کا شمار ہونے لگا تھا۔ دوسری طرف کالجوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے نکلنے والے طالب علموں کا مستقبل چالیس روپے ماہوار کلرکی کی نوکری تھی۔ اس بیکار تعلیم نے ہندوستانیوں کے معاشی اور اقتصادی ڈھانچے کو چُور چُور کر کے رکھ دیا تھا۔ کیونکہ ہندوستانیوں کو تجربات، ٹیکنالوجی اور مہارتوں سے

دور رکھا جاتا تھا تا کہ وہ فنون و ہنر حاصل کر کے خود کفیل نہ ہو جائیں۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''انگریزوں کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ ان کی سیاسی پکڑ کو مضبوط تر کرتی جائے گی۔ ہندوستان میں صنعتیں تو قائم ہو رہی تھیں مگر ان کا ہنر ہندوستانیوں سے اٹامک انرجی کے راز کی طرح محفوظ رکھا جا رہا تھا۔ اکبر کو اس کا احساس کس طرح نہ ہوتا۔''(۶)

اکبر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

خواہان نوکری نہ رہیں طالبان علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہل شعور کی
کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ رہی ہے صدا دور دور کی

.....

فریب و حرص و جبر و ظلم سے اکثر توسل ہے
ترقی مادی جو کچھ ہو اخلاقی تنزل ہے

اکبر کے عہد میں ہندوستان ایک زرعی اور صنعتی ملک تھا۔ ہندوستانیوں کی معیشت کا انحصار زراعت پر تھا لیکن بڑے شہروں میں صنعتیں اور کارخانے بھی قائم تھے۔ کاشت کاری سے ہندوستانی اپنی بنیادی ضروریات پوری کر لیتے تھے۔ دیہاتوں میں ہنرمند اور کاریگر جو اشیاء بناتے تھے، یہ دوسرے ممالک میں فروخت کے لیے برآمد بھی کی جاتی تھیں۔ اکبر کے عہد میں معاشی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''انگریزوں نے رفتہ رفتہ ہندوستان کے تمام اقتصادی ڈھانچے کو درہم برہم کر دیا۔ ہندوستانی صنعتی مصنوعات کی برآمد پر بھاری ٹیکس لگائے۔ انگلستان کی نو ساختہ صنعتوں کو تحفظ دیا اور اس بات کی زبردست کوشش کی کہ ہندوستان محض زرعی ملک ہو کر رہ جائے جہاں سے نہایت سستے داموں انگلستان کے کارخانوں کے لیے خام مال دستیاب ہوتا رہے پھر زمینوں کا بندوبست بھی اس طریقے سے کیا کہ کاشت کاری مقروض ہو کر رہ گئے۔''(۷)

بے سود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
ذلت ہے دراصل جاہ شوکت کی تلاش

.....

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لیے کافی اے دل نیکی

دنیا کے ہر معاشرے میں روٹی، کپڑا اور رہائش کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان مسائل کو حل کیے بنا کوئی بھی معاشرہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ علامہ اقبال نے انسانی زندگی کے اس اہم مسئلہ کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ ان کی کم و بیش تمام تصانیف میں معاشی تصورات موجود ہیں۔ برصغیر کے اکثر لوگ زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ اس عہد میں زمین کی ملکیت، زمینی پیداوار کی تقسیم، لگان، زرعی ٹیکس اور زرعی مسائل کو اقبال نے ماہرانہ انداز سے پیش کیا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر جو معاشی نظریات ابھر رہے تھے اقبال نے ان کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اپنے معاشی فلسفے کا موضوع بنایا۔ انھوں نے سرمایہ داری اور اشتراکی نظام کے عیوب پر کھل کر بحث کی۔ اقبال نے کاشت کاری اور کھیتی باڑی سے وابستہ کسانوں کے ساتھ زمینداروں کی طرف سے ہونے والی ناانصافی کو بصیرت افروز انداز سے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر ابوبکر صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''آبادی کا ایک قلیل حصہ زرعی اراضی کے بڑے بڑے قطعات پر قابض ہے۔ حالانکہ یہ طبقہ زمین کی کاشت کے سلسلے میں خود کچھ نہیں کرتا۔ کھیتوں میں کام کرنے والوں کی کثیر آبادی سارا سال اپنا خون پسینہ ایک کر کے فصل اُگاتی ہے اور نگہداشت کرتی ہے۔ جب فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو زمین کی ملکیت کا دعویٰ رکھنے والا وہی چھوٹا سا گروہ پیداوار کے بڑے حصے پر قبضہ جما لیتا ہے۔ جب کہ کاشت کاری میں عملی طور پر اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔''(۸)

اقبال زمین پر کسی بھی ملکیت کے دعوے کے خلاف ہیں۔ وہ زمین کا حقیقی مالک خداوند کریم کو سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا باقی تمام ملکیتی دعووں کی وہ تردید کرتے ہیں۔ اس زمین پر سب انسانوں کا برابر کا حق ہے۔ زمین کے ملکیتی حقوق انسانوں کو امانتاً تفویض کیے گئے ہیں۔ زمین کی پیداوار پر اسی شخص کا حق ہے جو زمین پر ہل چلاتا ہے، آب پاشی کرتا ہے، بیج بوتا ہے، فصل کاٹتا ہے اور اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

حق زمین را جز متاع ما نہ گفت
ایں متاع بے بہا مفت است مفت

ده خدایا نکته از من پذیر
رزق و گور از وے بگیر اور ا مگیر
باطن الارض اللہ ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

خالد منظور چودھری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسلام میں سرمایہ اور ملکیت خدا کی امانت ہیں ۔ وسائل دولت آفریں پر نہ فرد کو تصرف کا حق حاصل ہے، نہ جماعت کو بلکہ خدا کو۔ انسان جوں جوں ترقی کرتا جائے گا ذاتِ باری تعالیٰ کو اپنا مقصود بنا کر معاشی ارادوں میں بھی تبدیلی کرتا رہے گا۔''(۹)

برصغیر میں انگریزوں نے اپنے وفاداروں کو زمینوں اور جاگیروں سے نوازا۔ انگریزوں نے استعماری مقاصد کے حصول کے لیے ان جاگیرداروں کے اثر ورسوخ میں کئی طریقوں سے اضافہ کیا اور زمینداروں کے استحصالی ہتھکنڈوں کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اس ریاست میں آج بھی کاشت کار، غریب کسان پر بلا روک ٹوک ظلم و جبر روا رکھے ہوئے ہے۔ غریب کسان اس استحصال کو اپنی تقدیر سمجھ کر برداشت کیے جا رہا ہے اور مفلوک الحال زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اقبال جاگیردارانہ نظام کو معیشت، خوش حالی اور فلاح و بہبود کی راہ میں بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

رازدان جزو کل از خویش نا محرم شد است
آدم از سرمایہ داری قاتل آدم شد است
ز مزد بندہ کرپاس پوش و محنت کش
نصیب بندہ ناکردہ کار رخت حریر

الطاف حسین اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''حضرت علامہ نے اس غیر اسلامی نظام کی پرزور مذمت کی ہے اور زمین پر ملکیت کو کفر سے تعبیر کر کے زمینداری اور جاگیرداری کو ختم کرنے کی تلقین کی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ قرآنِ حکیم پر ایمان کے دعوے داروں پر یہ حقیقت ابھی تک واضح نہیں ہوئی اور زمین پر ذاتی حقِ ملکیت کو تسلیم کر کے زمیندار اور جاگیردار غریب کاشت کار کی محنت شاقہ کی کمائی ہوئی دولت سمیٹ کر دادِ عشرت دے رہے

ہیں۔ مذہبی پیشوائیت کی تائید اور حکومت کے قانون کی پشت پناہی
کی وجہ سے غریب کاشت کار اور محنت کش اپنے آپ کو بے بس اور
لاچار پا کر اپنی قسمت کا گلہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔ تقدیر
کے زہر نے محنت کشوں کے دل سے اپنی حالت کو بہتر کرنے کا
خیال تک مفقود کر دیا ہے۔''(۱۰)

اقبال نے اپنے فلسفہ میں ہمیشہ محنت کشوں کے حق میں صدا بلند کی۔ یورپ میں صنعتوں کے فروغ پانے سے کارخانوں کا جال بچھ گیا۔ غربت کے مارے سیکڑوں لوگوں نے ان کارخانوں کا رخ کیا۔ کارخانوں کے مالکان ان مزدوروں سے کم اجرت کے عوض زیادہ کام لینے لگے۔ یہ محنت کش دن رات کی مشقت سے کارخانہ دار کو نفع پہنچاتے۔ اسی طرح کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں کی پیداوار جاگیردار کے قبضے میں چلی جاتی۔ اس معاشی استحصال سے سرمایہ دار دولت میں کھیلنے لگا اور بندۂ مزدور کی زندگی کے لمحات تلخ ترین ہو گئے۔ اقبال ''خضرِ راہ'' میں فرماتے ہیں:

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تک تری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور مات

ڈاکٹر محمد آصف اعوان اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''صنعتی انقلاب کے بعد یورپ نے جب معاشی اعتبار سے ہوش
سنبھالا تو ہوسِ زر کے تحت اس نے دوسرے ممالک کی طرف رخ
کیا اور ظلم و استحصال، لوٹ گھسوٹ اور بربریت کی ایسی مثالیں قائم
کیں جو تاریخ کا عبرت انگیز باب ہیں۔ دنیا کا امیر ترین ملک
ہندوستان یورپ کی ستم ظریفی کی سب سے بڑی مثال بن گیا۔
یورپی شعبدہ بازوں نے اس ملک کو کنگال کر کے رکھ دیا۔ اس کی
دولت اور وسائل کو انگلستان منتقل کیا۔ یہی نہیں بلکہ یہاں کے خام
مال سے انگلستان میں مصنوعات تیار کر کے ہندوستان میں گراں

قیمت پر فروخت کی گئیں۔''(۱۱)

جب ہندوستان میں مشینوں کا استعمال شروع ہوا تو یہاں بھی مزدوروں کا طبقہ وجود میں آ گیا۔ بے روزگاری کی وجہ سے ان بے چاروں کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے استعماری طاقتوں نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ اقبال نے اس مسئلہ پر غور وخوض کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہاں مالک اور مزدور، جابر اور مجبور کے دو الگ الگ طبقات موجود ہیں۔ ان کے خیال میں لوٹ مار کا بازار اس وقت تک گرم رہے گا جب تک سرمایہ کہ مساوی تقسیم کا نظام وجود میں نہیں آ جاتا۔

حوالہ جات

۱۔ تبسم نظامی، تذکرہ اکبرالہ آبادی، بمبئی: مکتبہ سلطانی، ۱۹۴۸ء، ص:۳۹

۲۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مطالعہ اکبر، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء، ص:۶۶

۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، بزمِ اکبر سے بزمِ اقبال تک، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۰۴ء، ص:۲۳

۴۔ ایضاً، ص:۶۶

۵۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، اکبر میری نظر میں، مشمولہ: اکبر اس دور میں، مرتبہ: اختر انصاری اکبر آبادی، ص:۱۵۵

۶۔ ایضاً، ص:۱۵۱

۷۔ محمد زکریا، خواجہ، ڈاکٹر، اکبرالہ آبادی، تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۱۶

۸۔ ابوبکر صدیقی، علامہ اقبال کا معاشی تصور، مشمولہ: اقبال شناسی اور فنون، مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء، ص:۲۱۱

۹۔ خالد منظور چودھری، اقبال کے معاشی افکار، مشمولہ: اقبال شناسی اور افشاں، مرتبہ: بیدار ملک، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء، ص:۴۷۔۷۳

۱۰۔ الطاف حسین، اقبال اور اسلامی معاشرہ، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۱ء، ص:۹۷

۱۱۔ محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، مغربی تہذیب کے مشرقی نقاد، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۶ء، ص:۲۰۵

☆.....☆.....☆